مفتی ذاکر حسن نعمانی *

بوقت ضرورت اسقاط حمل کی انتہائی مدت

(Abortion)

اللہ تعالیٰ کی صفات اور قدرت کا سب سے بڑا اور اعلیٰ مظہر اتم اور پہچان انسان ہے قدرت کا عظیم اور خوب صورت شاہکار ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے ابلیس جس چیز کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا اس کو سجدہ کرنے سے تجھ کو کون سی چیز مانع ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کے اس عظیم شاہکار کی بلا ضرورت توڑ پھوڑ ایک عظیم گناہ ہے۔خواہ یہ ماں کے پیٹ میں ہو یا دنیا کے پیٹ میں ،ضرورۃً ماں کے پیٹ میں اس میں جان پڑنے سے پہلے اس کو ضائع کیا جا سکتا ہے۔زیر نظر مقالہ میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ صرف ضرورۃً حمل / جنین کو کتنی مدت بعد ضائع کیا جا سکتا ہے؟ فقہاء کرام نے اسقاط حمل / جنین کے لیے انتہائی مدت ۱۲۰ دن مقرر کی ہے۔لیکن جدید میڈیکل تحقیق کے مطابق اسقاط جنین رحمل کے لیے انتہائی مدت ۴۰ دن ہونی چاہیے۔

انسان کے تخلیقی مراحل:

ارشاد باری ہے :فَاِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیۡرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَکُمۡ ”ہم نے (اول بار) تم کو مٹی سے بنایا۔(غذا سے نطفہ اور غذا میں ایک جز مٹی ہے) پھر نطفہ سے (جو کہ غذا سے پیدا ہوتا ہے) پھر خون کے لوتھڑے سے (کہ نطفہ میں غلظت اور سرخی آنے سے حاصل ہوتا ہے) پھر بوٹی سے (کہ علقہ میں سختی آجانے سے حاصل ہوتا ہے) کہ (بعض) پوری ہوتی ہے (کہ اس میں پورے اعضاء بن جاتے ہیں)اور (بعضے) ادھورے بھی (ہوتے ہیں کہ بعض اعضاء ناقص رہ جاتے ہیں تا کہ تمھارے سامنے (اپنی قدرت) ظاہر کریں۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہے: ”ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَةَ مُضۡغَةً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَةَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ

”پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنا دیا، پھر ہم نے اس

* استاد حدیث و تخصص، جامعہ عثمانیہ پشاور

بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنا دیں، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا (جس سے وہ ہڈیاں ڈھک گئیں) (پھران سب نقلیات کے بعد) ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کوایک دوسری (طرح کی) مخلوق بنا دیا۔" (بیان القرآن، حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ)

نطفہ، علقہ اور مضغہ کی تحقیق:

(۱)......نطفہ:

امام راغب فرماتے ہیں "النطفة الماء الصافی ویعبر بها عن ماء الرجل" صاف پانی۔ آدمی کے پانی کو کہتے ہیں یعنی منی۔ (مفردات الفاظ القرآن فی غریب القرآن، ص۴۹۶)

قرآن مجید میں بھی نطفہ کو پانی کہا گیا ہے "وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا" ترجمہ: اور وہ ہے جس نے پانی سے (یعنی نطفہ سے) آدمی کو پیدا کیا۔ (سورۃ فرقان ص۷۵) ایک اور جگہ ارشاد ہے، خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ یہاں بھی اچھلتے پانی سے مراد منی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منی پر پانی کا اطلاق کیا ہے حالانکہ طبی تحقیق اور تدقیقی آلات (خورد بین) سے پتہ چلتا ہے کہ مادہ منویہ دراصل اپنی مخصوص شکلوں میں بے شمار متحرک جاندار کیڑوں (کرم) کا نام ہے۔ ان متحرک جاندار کیڑوں کو پانی کیوں کہا گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ شرعی حقائق کے سمجھانے میں مدار Naked Eye (کھلی آنکھ / ننگی آنکھ / عینک یا دور بین کے بغیر) اور مشاہدہ پر ہے، نہ کہ طبی آلات اور دور بین پر۔

(۲)......علقہ:

امام راغب فرماتے ہیں " والعلق الدم الجامد ومنه العلقة التی یکون منها الولد ، خلق الانسان من علق" ترجمہ: جما ہوا خون جس سے ولد بنتا ہے۔ (ص۳۴۲)

علقہ جمے ہوئے خون کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے طبی آلات دور بین وغیرہ میں مکمل انسان نظر آئے لیکن قرآن اس کو جما ہوا خون کہتا ہے کیونکہ مشاہدہ میں خون کا لوتھڑا ہی نظر آتا ہے۔

(۳)......مضغہ:

"القطعة من اللحم قدر ما یمضغ" (گوشت کا ٹکڑا)، فرماتے ہیں "اسما للحالة ینتهی الیها الجنین بعد العلقة"

ترجمہ: علقہ کے بعد جنین کی انتہائی حالت کا نام مضغہ ہے۔ (مفردات الفاظ القرآن، ص۴۶۹)

ممکن ہے گوشت کا یہ ٹکڑا طبی تحقیق اور تدقیقی آلات میں مکمل انسان نظر آئے لیکن قرآن کے مطابق صرف گوشت کا ٹکڑا ہے نہ کہ انسان اس لیے کہ مشاہدہ میں گوشت کا ٹکڑا ہی نظر آتا ہے۔

دیگر بہت سے احکامات کا تعلق بھی ظاہری آنکھ اور مشاہدہ کے ساتھ ہے مثلاً چاند کی رؤیت، قرآن مجید میں طلوع و غروب کی نسبت سورج کی طرف ہوئی ہے، اسی طرح سورج کی طرف رفتار اور چلنے کی نسبت ہوئی ہے۔

"وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا"۔ "اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے"۔(سورۃ یس)

حالانکہ سائنسی تحقیق کے مطابق سورج ساکن ہے اور زمین متحرک ہے سورج کے گرد گھومتی ہے اور اپنے محور پر بھی گھومتی ہے، چلتی ہوئی گاڑی کے پہیہ کی طرح بیک وقت دو حرکتیں کرتی ہے، زمین کی طرف حرکت کی نسبت نہیں ہوتی اس لیے کہ مشاہدہ میں سورج کی حرکت ہے اور زمین حرکت کرتی ہوئی نظر نہیں آتی۔

ارشاد باری ہے" وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ○ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰهَا "اور (قسم ہے) دن کی جب وہ اس (سورج) کو خوب روشن کر دے اور (قسم ہے) رات کی جب وہ اس (سورج) کو چھپالے۔

ان آیات میں دن کی طرف نسبت ہوئی کہ سورج کو روشن کرتا ہے اور رات کی طرف نسبت ہوئی کہ سورج کو چھپالیتی ہے، حالانکہ حقیقت میں سورج کی وجہ سے دن روشن ہوتا ہے اور رات تاریک بن جاتی ہے لیکن ہمارا مشاہدہ ہے کہ سورج دن کو نظر آتا ہے اور رات کو نظر نہیں آتا تھا، بظاہر یہ دن سورج کو روشن کرتا ہے اور رات سورج کو چھپالیتی ہے۔اس لیے مجازاً سورج کو روشن کرنے کی نسبت دن کی طرف ہوئی اور سورج کو چھپانے کی نسبت رات کی طرف ہوئی۔

اسقاط جنین کے بارے میں فقہاء کے اقوال:

جنین (حمل) کے اسقاط سے متعلق تمام فقہاء و مجتہدین کے اختلافی اقوال کا تعلق مشاہدہ ہی کے ساتھ ہے، کسی فقیہ نے جنین کے متعلق احکام کا مدار طبی تحقیقی اور تدقیقی آلات پر نہیں رکھا۔ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

"والحمل الذی تنقضی به العدة ما یتبین فیه شی من خلق الانسان ــــ ان تضع ما بان فیه خلق الآدمی من الراء س والید والرجل فهذا تنقضی به العدة بلا خلاف ــــ فرماتے ہیں" القت نطفة اودمالاتدری هل هومایخلق منه الآدمی اولا فهذا لا یتعلق به شیء من الاحکام لانه لم یثبت انه ولدلا بالمشاهدة ولا بالبینة" (المغنی لابن قدامه ،۱۱۵/۹)

اس عبارت میں" ما یتبین "اور" ولا با لمشاهدة "کے الفاظ سے بالکل واضح ہے کہ مذکورہ احکام کا مدار مشاہدہ اور ننگی آنکھ پر رکھا گیا ہے۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں "والسقط اذا استبان بعض خلقه فهومثل الولدالتام یتعلق به احکام الولادةمن انقضاء العدةوصیرورةالمرأةنفساء لحصول العلم بکونه ولداًعن الذکر والانثیٰ بخلاف الدم اذا لم یکن استبان من خلقه شیء لانالاندری ذاك هوالمخلوق من مائهااودم جامداو شیء من اخلاط

الردیةاستحال الی صورة لحم لا یتعلق به شیء من احکام الولادة“ (بدائع الصنائع،۱/۱ ۳۰۱۔۔۔۳۰۰)

اس عبارت میں ”استبان“ لفظ سے معلوم ہوا کہ ولادت سے متعلقہ احکام (مثلاً عورت کی عدت کا پورا ہونا اور عورت کا نفاس ثابت ہونا) کا تعلق ننگی آنکھ اور مشاہدہ کے ساتھ ہے۔

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں ،” سقط ای مسقوط ظهر بعض خلقه کیدأورجل أواصبع أوظفر أوشعرولا یتبین خلقه الا بعد مأة وعشرین یوماولدحکما فتصیر المرأة به نفساء والأمة ام ولد یحنث فی تعلیقه وتنقضی به العدة فان لم یظهر له شیء فلیس بشیء“ (الدر المختار ۱/۵۰۲،۵۰۱)

اس عبارت میں بھی ظهر بعض خلقه ولا یتبین خلقه سے معلوم ہوتا ہے کہ متعلقہ احکامات (نفاس،ام ولد بننا،عدت ختم ہونا،قسم میں حانث ہونا) کا تعلق مشاہدہ کیساتھ ہے۔

علامہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں ”عن علی ابن ابی طالبؓ قال: اذا أتت علی النطفة أربعة أشهر بعث الله الیها ملکا فینفخ فیها الروح فی ظلمات ثلاث“۔

ترجمہ: جب نطفہ پر ۱۲۰ دن گزر جائیں تو فرشتہ اس میں روح پھونک دیتا ہے۔آگے لکھتے ہیں: ”قال ابن عباس ثم أنشأناه خلقاآخر ۔۔۔یعنی فنفخنا فیه الروح ۔(تفسیر ابن کثیر ۱۲/۵)

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ ۴۰ دن میں نطفہ مکمل انسان بن جاتا ہے یا اس میں روح آجاتی ہے ان کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ یہ مسئلہ صرف اسقاط حمل کا نہیں بلکہ دیگر احکام کا تعلق بھی پھر چالیس دن کے ساتھ جوڑنا ہوگا مثلاً حانث ہونا،عدت ختم ہونا،نفاس ثابت ہونا اور ام ولد بننا وغیرہ۔

ایک سوال یہ بھی ہے کہ فی الحال اسقاط حمل کے لیے ۴۰ دن والی نئی میڈیکل تحقیق جو سامنے آئی ہے اس کی بناء پر مذکورہ مسائل سے متعلق گزشتہ فقہاء کے جو اقوال اور فتوے ہیں اس پر آج تک عمل ہو رہا ہے کیا یہ غلط ہے؟ اس کا جواب نئی تحقیق والوں کو دینا چاہیے۔

انسان کی تخلیقی تکمیل کی مدت:

تفسیر قرطبی میں ہے ”وفی الصحیح عن عبدالله ابن مسعود قال : حدثنا رسول الله وهوالصادق المصدوق ان احدکم یجمع خلقه فی بطن امه اربعین یوما ثم یکون فی ذالك علقة مثل ذالك وثم یکون مضغة مثل ذالك ثم یرسل الملك فینفخ فیه الروح“

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نطفہ،علقہ،مضغہ میں ہر ایک پر چالیس دن گزرتے ہیں جس سے ایک سو بیس دن بنتے ہیں پھر روح پھونک دی جاتی ہے۔معلوم ہوا کہ چالیس دن کا قول صحیح نہیں۔

مزید فرماتے ہیں: ”یجمع خلق احدکم فی بطن امه اربعین یوما نطفة ثم اربعین یوما علقة ثم اربعین

يوما مضغة ثم يبعث الملك فينفخ فيه الروح فهٰذه اربعةاشهر وفی العشر ينفخ الملك روحاوهٰذه عدةالمتوفی عنها زوجها کما قال ابن عباس ؓ"۔

اس حدیث میں بالکل تصریح ہے کہ ہر مرحلہ پر چالیس دن گزرتے ہیں اور جس عورت کا خاوند انتقال کر جائے اس کی عدت بھی چار ماہ دس دن مقرر کی ہیں یعنی عدت 130 دن ہے۔ اگر ضرورتاً اسقاط حمل کی انتہائے مدت چالیس دن ہے تو پھر مذکورہ عورت کی عدت بھی چالیس دن ہونی چاہیے، حالانکہ قرآن مجید میں چار ماہ دس دن عدت صراحتاً مذکور ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں: "لم يختلف العلماء ان نفخ الروح فيه يكون بعد مائة وعشرين يوما" یعنی جنین میں روح ایک سو بیس دن کے بعد ڈالی جاتی ہے اس میں علماء کا اختلاف نہیں ہے۔ (تفسیر قرطبی ۸،۷/۲)

چالیس دن کے بعد نفخ روح کا احتمال:

ایک سو بیس دن کے بعد جنین میں نفخ روح صراحتاً معلوم ہوا، اور چالیس دن کے بعد نفخ روح ایک احتمالی بات ہے اور احتمالی باتوں سے صراحت والی باتوں پر اثر نہیں پڑتا۔ جن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چالیس دن بعد روح ڈالی جاتی ہے اس کا علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چالیس دن بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں کی تخلیقی وتکوینی کاروائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ فرشتوں کی ان تخلیقی کاروائیوں کے ساتھ 120 دن بعد جنین میں روح ڈالنے کے ساتھ کوئی تعارض نہیں۔

حضرت حذیفہ ؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے 42 دنوں کے بعد حاضر ہوتے ہیں۔ اس حدیث کا ابن مسعود ؓ کی حدیث سے کوئی تعارض نہیں۔ حافظ ابن قیم ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ ؓ کی حدیث پہلے چالیسویں کے بعد تخلیق کی ابتدا پر دلالت کرتی ہے اور ابن مسعود ؓ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ 120 دن کے بعد جنین میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ (تہذیب السنن لابن قیم ؒ، ۴/ ۲۱۲۲ تا ۲۱۲۶)

روح کی قسمیں:

جن احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ چالیس دن بعد جنین کے اعضاء بن جاتے ہیں اور ان میں جان پڑ جاتی ہے ممکن ہے طبی آلات سے بھی اس مدت میں جنین متحرک نظر آتا ہو یہ ناممکن نہیں۔ جب نطفہ میں بے شمار متحرک جان دار کرم موجود ہیں حالانکہ ان میں یقیناً اصل روح نہیں پھونکی گئی ہے تو چالیس دن بعد جنین میں تخلیقی عمل شروع ہو جانے کے بعد بھی جنین کا جاندار معلوم ہونا بعید نہیں لیکن اس جاندار جنین کو متحرک کرنے والی شے کیا ہے اصل روح اس میں بھی نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس جاندار جنین میں حرکت پیدا کرنے والی شے اصل روح نہیں (جس کو روح ربانی، روح الٰہی، روح قدسی، روح فوقانی اور نفس ناطقہ کہتے ہیں اور یہ روح کا اعلیٰ درجہ ہے۔ یہ روح ایک غیر متبدل حقیقت ہے۔ شاہ ولی اللہ ؒ اس روح کے بارے میں فرماتے ہیں "بل الروح فی

الحقيقة حقيقة فردانية ونقطة نورانية يحل طورها عن طور هذه الاطوار المتغيره المتغايرة"
روح حقیقت میں ایک بسیط ماہیت اور نورانی نقطہ ہے برتر ہے اس کا انداز ان بدلنے والے باہم متضاد اوصاف کے انداز سے) بلکہ اس جنین میں روح حیوانی ہے۔شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں "ان فی البدن بخارا لطیفا متولدا فی القلب من خلاصة الاخلاط یحمل القوی الحساسة والمتحرکة والمدبرة للغذاء یجری فیه حکم الطب"

بدن میں ایک لطیف بھاپ ہے جو اخلاط سے دل میں پیدا ہوتی ہے جو احساس کرنے والے حرکت دینے والے اور غذا کا نظم وانتظام کرنے والے قوی (صلاحیتوں) کی حامل ہے علم طب کے احکامات اس میں جاری ہوتے ہیں ،یہی بھاپ روح ہے اور یہ روح کا نچلا درجہ ہے اس روح کو نسمہ ،روح ہوائی اور روح حیوانی کہتے ہیں۔فرماتے ہیں: ''ویستلزم تکوّنه الحیاۃَ وتحلله الموت ''اس کا پیدا ہونا زندگی کو اور اس کا تحلیل ہو جانا موت کو چاہتا ہے۔فرماتے ہیں وہ بھاپ ہی سرسری نظر میں روح ہے اور گہری نظر میں روح کا نچلا درجہ ہے اور بدن میں اس کا حال عرق گلاب کی طرح ہے گلاب میں اور آگ کی طرح ہے انگار میں۔

شاہ صاحب کے نزدیک اصل روح یہ بخار لطیف یعنی نسمہ نہیں ہے بلکہ یہ تو اصل روح کی سواری ہے اور اس (اصل روح) کا بدن سے تعلق جوڑتی ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ انسان نہ بدن اور جسم کا نام ہے اور نہ نسمہ اور روح حیوانی کا نام ہے بلکہ یہ انسان اس وقت کہلائے گا جب اصل روح (روح ربانی) کا تعلق روح حیوانی (نسمہ) کے ذریعے بدن کے ساتھ قائم ہو جائے۔اور اصل روح کا تعلق بدن کے ساتھ بہ واسطہ روح حیوانی روایات کے مطابق 120 دن کے بعد قائم ہوتا ہے۔واللہ اعلم (باب حقیقۃ الروح، حجۃ اللہ البالغۃ، ص ۱۸، ۱۹)

مقالہ کے آخر میں علامہ شامیؒ کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے جس سے بوقت ضرورت اسقاط حمل کا جواز اور اسقاط حمل کی انتہائی مدت معلوم ہوتی ہے۔فرماتے ہیں:

هل یباح الاسقاط بعد الحمل ،نعم یباح مالم یتخلق منه شیء ولا یکون ذلك الا بعد مائة وعشرین یوما ۔(رد المحتار ٣٣٦/٤)

کیا حمل کے بعد اسقاط مباح ہے؟ ہاں ! مباح ہے جب تک اُس سے کسی چیز (عضو ،جسم) کی فلقت نہیں ہوئی ہو اور یہ ۱۲۰ دن بعد ثابت ہوگا۔

فاباحة الاسقاط علی حالة العذر۔(رد المحتار ٣٣٦/٤)

اسقاط حمل کا مباح ہونا عذر کی وجہ سے ہے۔